دینِ اسلام کے اساسی و آفاقی تصورات

مولانا عبدالمتین
لیاری، کراچی

معاصر مغالطوں میں سے ایک بہت ہی بڑا مغالطہ یہ ہے کہ دینِ اسلام کو چند رسوم کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ دینِ اسلام چند رسمی احکامات کا نام نہیں، بلکہ دراصل یہ تو ایک نظامِ حیات ہے جو کہ انسانی زندگی کے سارے کے سارے گوشوں کا اِحاطہ کیے ہوئے ہے۔

دین کے ساتھ اس طرح کی نسبت کا فروغ بلا وجہ پیدا نہیں ہوا، بلکہ اس روش کے پس پردہ ایک سیاہ تاریخ ہے، جسے ہم تحریکِ تنویر کے نام سے جانتے ہیں، یہ تحریک اسی مقصد کے لیے قائم کی گئی کہ کس طرح دین کو مذہب تک محدود کردیں، کس طرح اسے ایک وہم وخیال تصور کیا جاسکے، کس طرح خطۂ ارض پر الٰہی اختیارات کی بجائے انسانی اختیارات کا بول بالا کیا جاسکے، کس طرح وحی الٰہی سے چھٹکارا پایا جائے، کس طرح عقل انسانی کو ماخذ علم سمجھا جائے!۔ الغرض اس تحریک نے ہر وہ طریقہ اپنایا جس کے تحت بندوں کا رشتہ خدا سے کٹ کر رہ گیا اور ''عبداللہ''، ''عبدالدرہم والدینار'' بن گیا۔

مذکورہ تمام مقاصد کا حصول ہی اس تحریک کا منشور تھا، جس میں کامیابی کا نتیجہ آج ہمیں مذہب بیزار اور خدا بیزار انسانوں کی شکل میں دکھائی دیتا ہے، جن کے مطابق اس دنیا کا کوئی ایک معمولی مسئلہ بھی مذہب حل کرنے کے قابل نہیں ہے، بلکہ ان کے مطابق ہم نے ایسے علوم تشکیل دیئے ہیں جو بغیر کسی آسمانی ہدایت کے ہماری ہر اُلجھن کو سلجھن میں بدل سکتے ہیں۔ ہاں! اگر کوئی شخص اپنے نجی معاملہ کی حد تک کوئی مذہبی معاملہ کرتا ہے تو ہم اُسے آزادیِ اظہارِ رائے کا حق دیتے ہوئے نظرانداز کردیتے ہیں، کیوں کہ دراصل ہمارے نزدیک مذہب فقط ایک ذاتی معاملہ ہے، اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذہب کے ذاتی معاملہ تک محدود ہونے کی صورت میں اس کی انسانی زندگی میں کس قدر اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟ کیا ایسے کسی شخص کو یہ حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے عائلی مسائل کو اپنے مذہب کی روشنی میں حل کرسکے؟ یا یہ حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ خود پر ڈھائے جانے

بیان کرتے ہوئے اور اس کی اساسی درجہ بندی کرتے ہوئے اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

’’اَلَّذِيْنَ إِنْ مَّكَّنَّاهُمْ فِيْ الْأَرْضِ أَقَامُوْا الصَّلَاةَ وَ أٰتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ . ‘‘ (الحج:۴۱)

’’یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم اُنہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔‘‘

اسی طرح ریاستی اختیارات کے حقیقی مأخذ اور مصدر کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ’’إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ. ‘‘(یوسف:۴۰)....’’حاکمیت اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔‘‘ ساتھ ساتھ ’’إِنِّيْ جَاعِلٌ فِيْ الْأَرْضِ خَلِيْفَةً . ‘‘(البقرۃ:۳۰)......’’بے شک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں‘‘ کہ انسان تو درحقیقت خلیفہ اور جانشینی کا کردار ادا کرنے کے لیے آیا ہے اور اسی جانشینی کا حق اپنی مختلف النوع ذمہ داریوں کے مطابق احکامِ خداوندی کی بجاآوری کی صورت میں کرتا رہتا ہے، ٹھیک یہی صورت ریاست کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد اس انداز سے ادا کرنی پڑتی ہے کہ: ’’أَنْ أَقِيْمُوْا الدِّيْنَ . ‘‘(الشوریٰ:۱۳) ....’’کہ تم دین کو قائم کرو‘‘ کے تحت اللہ کی سرزمین پر اللہ کا نظام نافذ کرنا پڑتا ہے۔

قرآن وحدیث اور ئے کرام کی تفصیلات سے اسلامی ریاست کے لیے جو جو شعبہ جات ناگزیر ہیں، وہ درج ذیل ہیں: جہاد، خارجہ امور، امن وامان، امورِ داخلہ، پولیس، بیت المال، نظامِ قضاء، عدالتیں، اقامتِ حدود وتعزیرات، نظامِ زکوٰۃ، اقامتِ صلوٰۃ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، شورائی نظام، اطاعتِ امیر، وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام کے متعلق مستقل احکامات اور تجاویز موجود ہیں، جن کا احاطہ یہاں طوالت کو لازم ہے، ان سب اعمال پر عمل کرنے کی حقیقی صورت اسلامی ریاست ہی کی صورت میں مدد ومعاون ثابت ہوگی، ورنہ ریاست کے اسلامی نہ ہونے کی صورت میں مفید تو بہرحال رہے گی، لیکن خاطرخواہ نتائج برآمد نہیں ہوسکیں گے کہ جن سے مقاصدِ شریعت کا بالکلیہ حصول ممکن ہوسکے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر کی اطاعت کو قرآن کریم میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے ساتھ ذکر فرمایا:

’’يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِيْ الْأَمْرِ مِنْكُمْ. ‘‘(النساء:۵۹)

’’اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحبِ اختیار ہوں ان کی بھی۔‘‘

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ ....